شیخ ایاز کی زندانی ادبی خدمات

ڈاکٹر نورالبصر امن*

Abstract

Sheikh Mubarak Ali Ayaz (1923-1997) was a revolutionary and progressive poet of Sindhi language and literature. He wrote almost twelve poetry books for the Sindhi literature. He also wrote two books of Urdu literature. Besides, Sheikh Ayaz worked very hard in the field of Sindhi and Urdu literature. Hence, without Sheikh Ayaz contributions Sindhi literature seems incomplete.

Prison-based life and contribution to Sindhi literature of Sheikh Ayaz has a great value, which has not yet been touched in detail by any scholar through research. He apparently decried against the British rule as well as Martial Law in his books, due to which he was imprisoned again and again. However, in the prison he never remained silent and did hectic efforts for promotion of the Sindhi literature. On the life of prison, he wrote a book entitled "Sahiwal Jail Diary", which has great importance in Sindhi language and literature.

شیخ ایاز کی علمی اور ادبی گہرائی کے بارے میں ڈاکٹر غلام علی الانا اس طرح رقمطراز ہیں:

> اگر کوئی محقق، سماجیات اور ادبیات پر عبور رکھنے والا ادیب یا مؤرخ سندھ کی سماجی، سیاسی، تاریخی، سندھ کے لوگوں کی نفسیات اور سندھی ادب کے نظریات پر ارتقائی تاریخ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کیلئے لازمی ہوگا کہ وہ شیخ ایاز کے کلام اور نثر کا مطالعہ کرے اور اپنی تحقیق اور کام سے انصاف کرے"[۱]

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ پشتو جامعہ ملاکنڈ، خیبر پختونخواہ

پیدائش اور ابتدائی زندگی

شیخ ایاز کا پورا نام شیخ مبارک علی ایاز ہے۔ شیخ قبیلے میں پیدائش کی وجہ سے شیخ نام کے ساتھ لگ گیا۔ والد کا نام شیخ غلام حسین تھا، دادا شیخ بنگل، حکیم اور میونسپل کونسلر تھے لیکن ادبی دنیا میں شیخ ایاز قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ آبائی وطن اور جائے ولادت شکارپور صوبہ سندھ ہے۔[۲] ابتدائی تعلیم شکار پور ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے چیدا سنگھ سٹیل داس کالج میں داخل ہوئے۔

ثانوی اور اعلٰی درجات کی تعلیم شکار پور میں پائی۔ ۱۹۴۳ء سے کراچی کے ڈی۔ جے کالج سے بی۔ اے کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا۔[۳]

ملازمت

بی اے کرنے کے بعد شیخ ایاز کو مالی مشکلات نے آگے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی اور سیکرٹریٹ میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ عرصے کے بعد ملازمت کو چھوڑ کر وکالت شروع کی۔

۱۹۴۹ء میں پہلی شادی ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی کو خیر آباد کہہ کر سکھر میں وکالت شروع کی اور اہل خانہ کو بھی شکار پور لے آئے۔ یہیں مکان کا بندوبست کر کے مستقل سکونت اختیار کی۔ اسی دوران سکھر میونسپلٹی کے قانونی مشیر بھی بنے اور اپنی پریکٹس کو جمانے کیلئے چھوٹے چھوٹے مقدمات اپنے ذمے لینے لگے۔[۴] ۱۹۷۶ء ذوالفقار علی بھٹو نے جیل میں ان کی علمی و ادبی سنجیدگی سے متاثر ہو کر سندھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا، انہوں نے یونیورسٹی میں اپنی علمی و ادبی اور انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار انقلاب برپا کر دیا، اس کا اعتراف ایک جرمن دانش ور نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> یہ یونیورسٹی دو خصوصیتوں کی وجہ سے بین االاقوامی شہرت رکھتی ہے۔ ان میں سے ایک خصوصیت ہے کہ یہاں کے وائس چانسلر کو ان کی شخصیت، ذہانت، قابلیت، وسیع مطالعے اور اعلٰی شاعری کی وجہ سے عالمی شہرت کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔ میں ان کی شاعری سے بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ اس یونیورسٹی کی دوسری خصوصیت، یہاں کا ادارہ یعنی انسٹیٹیوٹ آف

سندھالوجی، خصوصاً اسکی تحقیقی لائبریری میں موجود کتابوں اور رسالوں وغیرہ پر مشتمل مواد اور عربی، فارسی اور سندھی زبان میں لکھے ہوئے قلمی نسخے یہاں کا ایتھنالوجیکل میوزیم اور ساؤنڈ آرکائیوز سیکشن، ایتھنا میوزیکل سکشن، پینٹنگر گیلری اور مشاہیر کی گیلری وغیرہ ہے[5]

۲۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو یونیورسٹی میں اپنی چار سالہ ملازمت کامیابی سے پوری کرنے کے بعد جامشورو کو خیر آباد کہہ کر واپس سکھر چلے آئے اور بعد میں کراچی میں مکمل رہائش اختیار کی۔ آخری ایام کراچی میں رہائش اختیار کی۔ اِس دوران دوسری سرگرمیوں کی نسبت مطالعہ اور لکھائی پر زیادہ توجہ دی۔

وفات

شیخ ایاز کو تین بار دل کے دوروں کی تکلیف کے باوجود خدانے بچایا لیکن چوتھی بار انہوں نے موت سے شکست کھائی۔ ''جدید سندھی ادب کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا معتبر لکھاری ۲۸ دسمبر ۱۹۷۷ء کو خاموشی سے ابدی سفر پر روانہ ہوگیا۔ ابدی سفر پر روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے اطلاعی گھنٹی دبائی، ڈاکٹر ان کے کمرے کی طرف بھاگا، ایک لمحے کیلئے رکا اُنہوں نے شیخ ایاز کی طرف دیکھا دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور اگلے ہی لمحے عظیم شاعر دنیا سے جا چکا۔ موت کے وقت ان کی عمر ۷۴ سال تھی''[6]

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان نے شیخ ایاز کی رحلت پر افسردگی کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

گزشت آہ آں شاعرِ باکمال۔ کہ بودہ زشہرت مگر بے نیاز
''لطیف'' درگرد بود در ملک سندھ۔ ہمہ معترف اند بے امتیاز
بفکرش بتدریج شد انقلاب۔ کہ دین است نعمت بصد فخر وناز
معظم،مشرف، بزرگِ زماں، حقیقت شناس از خوشاب مجاز

۲۸ دسمبر، ۱۹۹۷ء

مبارک ایاز وخجستہ نژاد۔ ''لطیف'' جواں فکر شیخِ ایاز

۱۴۱۸ھ، یکہ شنبہ ۱۷ شعبان المبارک[7]

شیخ ایاز کو بھٹ شاہ میں کرار جھیل کے کنارے شاہ عبدالطیف بھٹائی کے پہلو میں

دفن کیا گیا۔ جنازے کا آنکھوں دیکھا حال عطیہ داود اس طرح بیان کیا ہے۔ ”اگلے روز تمام ادیب و شاعر صبح ہی سے بھٹ شاہ پہنچنا شروع ہوگئے۔ تدفین کی جگہ کا انتخاب بھٹ شاہ ریسٹ ہاؤس کے قریب ایک ایسی جگہ پر کیا گیا جو سرسبز درختوں میں گھری ہوئی کرار جھیل کے ساتھ ہے۔ یہ تمام کام حمیداخوند سیکرٹری کلچر کی مساعی سے ممکن ہوا۔ جب میت کو لایا جارہا تھا تو دو سو سے زائد شعراء وادیب ایک قطار میں کھڑے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کی پتیاں لیئے جنازے کا انتظار کررہے تھے۔ جب ایاز کا جنازہ لایا گیا تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور دبی دبی سسکیوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ سب نے اپنے پسندیدہ اور محبوب لکھاری کو آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان آخری سلام پیش کیا۔۔۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے شیخ ایاز کو دفن ہوتے دیکھا اور بھٹ شاہ میں قبر کے اوپر نسب کتبہ اس بات کا غماز ہے کہ شیخ ایاز اب ہم میں موجود نہیں لیکن ہم سب شدت سے یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ شیخ ایاز اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک یہ دنیا باقی ہے۔“[۸]

بلکہ اس دنیا کے بعد بھی زندہ ہوگا کیونکہ انہوں نے آفاقی شاعری کی اور انسانیت کے دکھ درد کا رونا رویا ہے۔ ایک شاعر کا اصل اثاثہ اُس کی تخلیقات ہوتی ہیں جوکہ شاعر کے نام، کام اور پیغام کو مرنے نہیں دیتی۔

سندھ کے لوگ اپنی مٹی اور زبان وادب سے بے پناہ اور والہانہ محبت رکھتے ہیں جب بھی سندھ کی سر زمین پر کوئی بھی آزمائش آئی تو سب لوگوں نے بے چوں وچرا اُس کی حفاظت کیلیئے لبیک کہا ہے۔ برصغیر پر فرنگی کے خوفناک تسلط نے یہاں کے رسم ورواج، معاشیات، تعلیم، رویوں اور ماحول کے ساتھ ساتھ ادبیات پر بھی گہرا اثر چھوڑا۔

شیخ ایاز میں پیدائشی طور پر ایک شاعر، ادیب، محقق، تنقید نگار اور فنکار کے جوہر موجود تھے۔ جب انہوں نے آنکھ کھولی تو سندھ کی سر زمین پر تاج برطانیہ کے خلاف آزادی کی تحریک زور وشور سے جاری تھی۔ ایک شاعرانہ اور حساس ذہن کے مالک ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لیئے ایک انقلابی اور مزاحمتی تحریک ”ترقی پسند“ کا چناؤ کیا۔

قیام پاکستان سے پہلے کراچی میں ترقی پسند ہندو اہل قلم کا وسیع حلقہ تھا۔ ایاز نے ترقی

> پسند تحریک سے متاثر ہو کر انقلابی نظمیں اور گیت لکھے جن کو بڑی پذیرائی ملی، وہ ''نوجوان شاعر آتش نوا'' کہلائے۹

شیخ ایاز نے جیسے ہی نوجوانی کی دہلیز قدم رکھا تو ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور وہ مقصد فرنگی کے خلاف انقلاب تھا۔ انہوں نے اس انقلاب میں حصہ لینے کیلیئے قلم کی تلوار سے قلمی جہاد شروع کیا۔ چونکہ جوانی اور خون کی گرمی تھی، تو نہ حکومت کی پرواہ تھی اور نہ قیدوبند کا ڈر۔ اسی وجہ سے ان کی ابتدائی شاعری میں انقلابی جوش و جذبہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

''اس ابتدائی دور کی شاعری میں وہ شاعرانہ محاسن جو بعد میں پیدا ہوئے البتہ جوش وخروش اور انقلابی گھن گرج خوب تھی'' ۱۰

اُردو کی یہ ابتدائی شاعری ان کی پہلی اردو کتاب ''بوئے گل نالۂ دل'' ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔ اس میں نظموں، غزلوں اور گیتوں پر طبع آزمائی ہوئی ہے۔ نظم ''باغی'' اور ''ملاح کے گیت'' کو زیادہ تر لوگوں نے پسند کیا۔

شیخ ایاز نے اپنی بغاوت کا لاوا صرف شاعری تک محدود نہ رکھا بلکہ افسانے میں بھی نکالنے کی کوشش کی اور افسانے میں لاوا اتنا گرم اور زور دار تھا کہ اِس کی تپش، گرمی اور گرج سے تاج برطانیہ بھی خوفزدہ ہوگئی۔

> قیام پاکستان کے قریب اصل دھماکہ شیخ ایاز کے افسانوں کے مجموعے ''سفید وحشی'' نے کیا تھا جو ۱۹۴۷ء کے اوائل میں شائع ہوا۔ حکومت وقت نے اسے فی الفور بحق سرکار ضبط کر لیا۔ اس اعتبار سے شاید شیخ ایاز پہلے ادیب تھے، جن کی تخلیقی کتاب ''بغاوت'' کے الزام میں بحق سرکار ضبط ہوئی، سفید وحشی، محض ایک افسانوی مجموعہ نہیں تھا بلکہ اس کی ادبی قدروقیمت اور درجہ بندی سے قطع نظر اپنے انوکھے موضوعات اور نئے اسلوب کی بنا پر اس مجموعے نے نئی نسل کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔۱۱

اس دور میں شیخ ایاز نے شعوری طور پر ادب میں ایسا قدم اٹھایا کہ وہ حکومت کیلیئے درد سر بن گئے۔ اس میں عوام کیلیئے آزادی کا سبق تھا۔ کیونکہ فرنگی حکومت نے برصغیر کے عوام سے آزادی مکمل طور پر چھینی تھی اور لوگوں میں خودداری بالکل ختم ہوگئی تھی۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ عوام میں حکومت کے خلاف آزادی کے شعور کو اجاگر کیا جائے۔ اس لیے قیام پاکستان سے پہلے ''سفید وحشی'' کے نام سے افسانوں کی جو کتاب شائع ہوئی اس کے

افسانوں میں برطانوی سامراج کے خلاف باغیانہ افسانے اور کچھ افسانے جاگیردارانہ نظام کے ظلم و تشدد اور مظلوم ہاریوں کی بیچارگی کے موضوع پر ہیں۔ ۱۲

کتاب کے نام کی مناسبت سے جو افسانہ ''سفیدوحشی'' کے نام سے شامل ہے یہ علامتی نام ہے جو فرنگی حکومت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس کا مرکزی کردار صدیق ایک مچھیرا ہے جو کہ آزادی کی خاطر نہ صرف اپنی محبوبہ کو قربان کرتا ہے بلکہ عمر قید کی صعوبتیں بھی برداشت کرتا ہے۔ سفیدوحشی سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> کچہری روڈ پر اس نے کئی طلبہ دیکھے جو جھنڈے اٹھا کر ''انقلاب زندہ باد ہندوستان آزاد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ اس نے سائیکل سے اتر کر ایک لڑکے سے بے خبری سے پوچھا ''ہندوستان کے جہاز کا کیا ہوا؟ میرا بھائی بھی اسی پر خلاصی ہے؟ لڑکوں نے اسے گھیر لیا۔ ایک نے کہا۔ ''یہ گورے، یہ وحشی ہماری زندگی کو کوڑی برابر سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ذلیل ہیں: غلام ہیں، کالے ہیں......'' غصہ کی وجہ سے اس کے گال پھول گئے تھے اور وہ زیادہ کچھ بول نہ سکا.......
>
> سفید وحشی ہماری زندگی، غیرت اور محبت کے قاتل! سفید وحشی !! سفید وحشی!! سفید...... سفید.....صدیق کا سر چکرا گیا۔ اس نے قمیص کی جیب سے چاقو نکالا اور دروازے کو ٹھوکر مار کر اندر گھس گیا۔ ایک دوسرے تیسرے زخم سے سپاہی زمین پر گر گیا اور آدم خور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ کل صدیق کو قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ ۱۳

اس کتاب کی ضبطی تو واضح ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ شیخ ایاز کو پابند سلاسل کیا گیا کہ نہیں لیکن ایک بات طے ہے کہ شیخ ایاز مظلوموں کے حق کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے اور جیل جانے سے چنداں نہ گھراتے تھے۔ شیخ ایاز نے انقلابی اور باغیانہ انداز تحریر اور تقریر کو ترک نہ کیا اور قیام پاکستان کے بعد بھی انسانیت، اپنی سرزمین، زبان وادب کے خلاف کوئی بھی بات سنی تو اس کے خلاف واضح طور پر بے باک مزاحمت کی۔ قیام پاکستان اور برصغیر کی تقسیم نے ان کو اس وجہ سے بہت پریشان کر رکھا تھا کہ اس تقسیم نے ان سے نارائن شیام اور بہت سے جگری دوستوں کو جدا کیا تھا اور اس نے ان کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑا تھا۔ تقسیم کے وقت انسانیت کے ساتھ جو ظلم ہوا تھا اس نے بھی شیخ ایاز کے ساتھ ساتھ دوسرے باضمیر اور زیرک لوگوں کو جھنجوڑا تھا:

> جب نارائن شیام اپنے جگری دوست اور عملی و قلمی ساتھی شیخ ایاز کو خیر آباد کہہ کر دہلی جابسا تو اس ہجرت نے بھی ایاز کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا اور اس نے جغرافیائی تقسیم کو انسان دوستی اور تعلقات کیلئے مضرصحت قرار دیا اور برصغیر کی دونوں بڑی ہجرتوں اور تقسیم یعنی ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۱ء کو دراصل ایک جسم کے مختلف حصوں میں بٹ جانا کہا.... ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے جبر نے ہم پر بہت شب خون مارے ہیں اور دوسری سینکڑوں کتابیں چھوڑ کر صرف کرشن چندر کا ''ہم وحشی ہیں''، خشونت سنگھ کا ناول Train To Pakistan، چمن نہال کا انگریزی ناول Azadi اور لیری کالنز (Collins Larry) اور ڈومینک لاپیگ کا Freedom at Midnight یہ بتانے کیلئے کافی ہیں کہ لوگ کس طرح سور بن کر ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچتے رہے ہیں[۱۴]

برصغیر کی تقسیم نے خون چکاں اور الم ناک واقعات کو جنم دیا اور ساری دنیا کے مورخین اور محققین نے اس بابت کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اور یہ سارا المیہ شیخ ایاز نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھاتو وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کا سارا نزلہ انہوں نے ۱۹۶۵ء کے دوران نکالا۔ اسی جنگ کے ساتھ ان کو دوسرے دوستوں کے علاوہ نارائن شیام بھی یاد آگیا اور ایک نظم ''سنگرام'' کے نام سے لکھی۔

حصار جنگ میں بے بس کھڑا ہوں
نارائن شیام میرے سامنے ہے
مگر میں کیسے اس کو مار ڈالوں

اس نظم کو بنیاد بناکر ان پر غداری اور بھارت کے ساتھ ہمدردی کے اظہار میں گرفتار کیا گیا۔ نہ صرف یہ کہ ان کو پابندِ سلاسل کیا گیا بلکہ انکے مجموعوں پر بھی پابندی لگ گئی۔

''ایوبی امریت کے اس تاریک دور میں شیخ ایاز کو ہر اس شہر سے بدر ہونا پڑا جہاں انہیں مشاعرے کی دعوت دی گئی۔ ان کے تین مجموعہ ہائے کلام پر پابندی لگائی گئی حتٰی کہ اپنے باغیانہ کلام نے انہیں پابند سلاسل ہونے پر مجبور کردیا۔ اور یوں وہ ۱۹۶۵ء میں پہلی مرتبہ جیل گئے۔ ۱۹۶۸ء کے آواخر میں ایک بار پھر دفعہ ۱۲۳(۱۷) کے تحت شیخ ایاز کو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ آیوبی آمریت کے ''تیرہ بڑے مجرموں'' میں سے ایک تھے۔ تین دوسرے مجرموں میں ذوالفقار علی بھٹو، ممتاز علی بھٹو اور میر علی بخش تالپور شامل تھے جن کے ساتھ شیخ ایاز کو بھی ساہیوال جیل میں بند ہونا پڑا۔ ساہیوال جیل کی رفاقت شیخ ایاز اور

ذوالفقار علی بھٹو کو ایک دوسرے کے قریب لے آئی۔ اور بعد میں ۱۹۷۳ء میں بھٹو نے شیخ ایاز کو سندھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کر دیا۔

مئی ۱۹۷۱ء میں شیخ ایاز ایک بار پھر جیل بھجوا دیئے گئے۔ آٹھ ماہ کی قید تنہائی اور سانحہ مشرقی پاکستان نے اس کی سوچ کو ترقی پسندانہ راہ پر ڈال دیا''۱۵

اس سے پہلے اور بعد بھی شیخ ایاز کو کئی بار جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلا گیا اور ان سے ان کے ترقی پسندانہ اور حقیقت پسندانہ رویّے کا بدلہ لیا گیا۔ لیکن شیخ ایاز اپنے عزم مصمم سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ اس قسم کی پابندیاں شاعر اور ادیب کے جذبات کو اور بھی ابھارتی ہیں اور اسے مزید باغیانہ مواد لکھنے کیلئے اُکساتی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی قانون شاعر اور ادیب کی سوچ، فکر اور قلم پر پابندی نہیں لگا سکتا بلکہ اس قسم کی مزاحمت اس کے نظریات و افکار کو اور بھی جلا بخشتی ہے۔ اگر ہم عالمی ادب پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلے گا کہ کسی بھی زبان کے اہل قلم کو جب پسِ زندان ڈالا گیا تو انہوں نے زندان میں ہر قسم کی تکلیفات اور مشکلات کے باوجود ادب کو تخلیق کیا ہے اور وہ ادب ہر لحاظ سے مکمل اور با مقصد ثابت ہوا ہے۔ دنیائے ادب کی اکثر عظیم شاہکار کتابیں زندان ہی میں تخلیق ہوئی ہیں۔۱۶

شیخ ایاز بھی انہی لکھاریوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے خون اور پسینے سے جیل میں ادب تخلیق کیا۔ شیخ ایاز کی ''سندھی زندانی ادبیات'' ان کی ادبی تخلیقات میں بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ لیکن اکثر محققین نے اس کو نظر انداز کیا ہے۔ اس لئے اس مقالے کے عنوان کو میں نے شیخ ایاز کے زندانی ادبیات تک محدود کیا ہے۔

''بدترین مارشل لاء اور ظالم جمہوریت بھی ان کی راہوں کو روک نہ سکا۔ قیدوبند کی سزا اور سختیاں ان کو لرزا نہ کر سکیں۔ پہاڑ کی اونچائی جیسی دیواروں اور فصیلوں والے جیل خانے بھی انکی صدا کوروکنے کی بجائے ان کی پرواز کو اعلیٰ منزل پر لے گئے۔''۱۷

اسی پس منظر کو شیخ ایاز نے اپنی ایک نظم میں جس طرح بیان کیا ہے وہ اس زمانے کی تاریخ کی ایک تصویر ہے:

> اے جابر! تم نے تو مجھے زنداں میں بند کر رکھا ہے، تم نے تو میری زبان بندی کر رکھی ہے، مجھے تو تم نے اس قدر زنجیروں میں جکڑ کر رکھا ہے کہ میرا ہلنا اور حرکت کرنا بھی

> مشکل ہے، لیکن اے جابر! تم چاہتے ہو کہ میں اپنی ہر حرکت ہر قدم کیلئے تم سے اجازت لوں تم سے پوچھوں۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم اس طرح کتنے لوگوں کو اور کن کن مجاہدوں کو خاموش رکھ سکو گے اور کب تک ایسی ناکام کوشش کرتے رہوگے۔ تیرے ساتھ اس جنگ میں میں تنہا ہرگز نہیں۔ تیرے ساتھ اس جنگ کیلئے تو ہزاروں کی تعداد میں سرفروش نوجوان سر پر کفن باندھ کر اعلان کر چکے ہیں اور میدان میں کھڑے ہیں۔ ۱۸

”کپر توکن کری“

یہ شیخ ایاز کی زندانی شاعری کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ انہوں نے ساہیوال جیل میں تخلیق کیا ہے۔ مئی ۱۹۷۱ء سے جنوری ۱۹۷۲ء تک وہ ”ڈیفنس آف پاکستان رولز“ کے تحت قید میں تھے۔

”شیخ ایاز نے سیاست میں حصہ لیا، قید بھی کاٹی مگر ہر بار جیل سے اشعار کا ذخیرہ لاکر آتے رہے۔ ”کپر توکن کری“ (ساحل پر بھوز پڑے) ان کی شاعری کا اہم ترین مجموعہ ہے، زیادہ تر جیل ہی میں لکھا گیا ہے“ ڈاکٹر انور فگار ھکڑو اس مجموعے کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> شیخ ایاز کا یہ مجموعہ کلام مارچ ۱۹۷۵ء میں سندھی ادیبوں کی کوآپریٹو سوسائٹی حیدر آباد کی طرف سے شائع کیا گیا۔ یہ مجموعہ انہوں نے سنٹرل جیل سکھر میں ایام اسیری کے دوران تخلیق کیا تھا۔ یہ ایام مئی ۱۹۷۱ء سے جنوری ۱۹۷۲ء تک آٹھ مہینوں پر مبنی ہیں۔ ۲۰

اس کتاب پر ع۔ ق شیخ نے ایک تعارف نامہ لکھا ہے۔ اس کے مطابق اس کتاب میں ۲۹وائیاں، چارگیت، ایک غزل، بارہ نظمیں ہیں۔ ۲۱

اس کے علاوہ اس کتاب پر شیخ ایاز نے ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس میں جیل کے حالات، واقعات، جیل کے ماحول، جیل کے عملے اور اپنے قیدی ساتھیوں کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اس میں بعض نظمیں بھی جیل کے بارے میں لکھی ہیں۔

> ”کپر توکن کری“ پانچواں شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۷۵ء میں آیا۔ اس میں قیدوبند کے دور کی تاثراتی نثری نگارشات کا حصہ بھی ہے اور شاہ جو رسالو کی عوامی کہانیوں کے کرداروں اور چند مخصوص سروں کی علامات کو جدید حیثیت اور مزاحمتی انداز میں بیتوں اور وائیوں کی شکل میں ہے۔ ۲۲

اس، مجموعے میں زوردار طنزیہ نظمیں بھی موجود ہیں جو کہ سندھی ادب کا گراں قدر خزانہ اور اثاثہ ہیں۔

ساہیوال جیل کی ڈائری

عنوان سے واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ ساہیوال کی جیل میں لکھی گئی واقعات کی ڈائری ہے۔ اصل میں اس کو سندھی زبان میں ''ساہیوال جیل جی ڈائری'' کے نام سے لکھا گیا ہے، لیکن اس کو پروفیسر کرن سنگھ نے اردو میں ''ساہیوال جیل کی ڈائری'' کے نام سے ترجمہ کر کے دانیال مکتبہ کراچی سے شائع کیا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں اس کو فکشن ہاؤس لاہور نے دوبارہ شائع کیا ہے:

ھگڑو صاحب اس کتاب کا تعارف کچھ ان الفاظ میں کراتے ہیں:

> شیخ ایاز کی نثر میں لکھی ہوئی یہ کتاب مئی ۱۹۸۶ء میں نیو فیلڈس پبلیکیشن حیدر آباد کی طرف سے شائع کی گئی۔ ۲۵۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک لحاظ سے ایاز کی آپ بیتی بھی کہی جاسکتی ہے۔ دسمبر ۱۹۶۸ء سے جنوری ۱۹۶۹ء تک کا عرصہ شیخ ایاز نے ساہیوال جیل میں گزارا۔ اس دوران انہوں نے جو کچھ محسوس کیا وہ قلم بند کر دیا۔ جن شخصیات کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایسے خوبصورت انداز میں کیا ہے کہ خاکہ نگاری کی وہ منفرد مثالیں ہیں۔[۲۳]

لیکن جیل میں فرصت اہلِ قلم کیلئے کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی اور اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر شیخ ایاز نے ڈائری لکھنے کی روایت کو برقرار رکھا جس کا ایک شاہکار نمونہ ''ساہیوال جیل کی ڈائری'' کے نام سے منظرِ عام پر آنے والی وہ تاریخی دستاویز ہے جس میں انہوں نے اپنی ذاتی حالات ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے موضوعات قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ملکی صورتحال، سیاسی اتھل پتھل، ادبی مباحث، قیدیوں کی کیفیت، موسمی تغیرات اور قانونی پیچ وخم کو اپنی یاداشت کے ذریعے پیش کرتے رہے۔ اس ڈائری میں موجود واقعات کے مطالعے سے ہمیں ان کی خلوت جلوت کی بزم آرائیوں کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ جس سے ان کا شخصی خاکہ ایک جیتے جاگتے انسان کے روپ میں ہمارے سامنے چلتا پھرتا محسوس ہوتا ہے، یہ ڈائری جہاں شیخ ایاز کے قیدوبند کی داستان ہے، وہیں اپنے وقت کی تاریخ بھی ہے جہاں ظالم وجابر قوتوں کے خلاف للکار ہے، وہیں دوستوں کیلئے محبت نامہ

بھی جہاں ماضی کی روداد ہے وہیں مستقبل کا آئینہ بھی۔۲۴

حوالہ جات

۱۔ غلام علی الانا، ڈاکٹر، ‘‘شیخ ایاز ایک قومی اور عوامی شاعر’’سہ ماہی ادبیات، اکادمی ادبیات اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۸۔

۲۔ سید مظہر جمیل، ‘‘جدید سندھی ادب’’ اکادمی بازیافت اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۸۶۷۔

۳۔ آفاق صدیقی ‘‘شیخ ایاز: مہتالحد’’ سہ ماہی ادبیات، اکادمی ادبیات اسلام آباد، ۱۹۹۹ء ص ۱۳۹۔

۴۔ شیخ راز، آفاق صدیقی ‘شیخ ایاز میری نظمیں سہ ماہی ادبیات، ص۔

۵۔ غلام علی الانا، ڈاکٹر ‘‘شیخ ایاز ایک قومی’’ سہ ماہی ادبیات اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۰۔

۶۔ امر جلیل، عذرا ثروت، ‘شیخ ایاز کی رحلت’’ ادبیات اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۹۔

۷۔ غلام مصطفٰی خان، ‘‘مادہ تاریخ وفات’’ ادبیات’’ ۱۹۹۹ء، ص۱۴۴۔

۸۔ عطیہ داؤد، آصف زمان انصاری ایضاً، ص ۲۲۷۔۲۲۸۔

۹۔ آفاق صدیقی ‘‘شیخ ایاز مہدتالہ’’ ادبیات، ص۱۳۹۔

۱۰۔ ایضاً ص ۱۴۸۔

۱۱۔ سید مظہر جمیل، جدید سندھی ادب’ اکادمی بازیافت، اکتوبر ۲۰۰۴ء۔ص ۱۰۰۷۔

۱۲۔ آفاق صدیقی ‘‘شیخ ایاز کی تصانیف’’ ادبیات، ص ۱۴۸۔

۱۳۔ شیخ ایاز، ستار پیرزادہ ‘‘سفید وحشی’’ ادبیات، ص ۲۹۸۔

۱۴۔ ذوالفقار ہالی پوتو، ‘‘شیخ ایاز ہر صدی کا شاعر’’ ادبیات جنوری تا جون ۲۰۱۱ء ص ۲۱۱۔

۱۵۔ سکندر ھلیو، امجد قیصرانی، شیخ ایاز ایک عوامی شاعر’’ سہ ماہی ادبیات ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۱۔

۱۶۔ نورالبصر امن، ‘‘زندانی ادب’’ پی ایچ ڈی کا مقالہ، پشتو ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی ۲۰۱۳ء، ص۵۔

۱۷۔ شہباز، قمر عباس بحوالہ، غلام علی الانا’’شیخ ایاز ایک قومی اور عوامی شاعر’’ ص ۱۶۶۔

۱۸۔ شیخ ایاز بحوالہ غلام علی الانا، ایضاً۔

۱۹۔ شاعر، حمایت علی ‘‘شیخ ایاز شخص اور شاعر’’ سندھ یونیورسٹی پریس حیدر آباد ۱۹۷۹ء میں ۳۹۔

۲۰۔ ھگڑو، انور فگار’’شیخ ایاز’’شخصیت اور فن ‘‘اکادمی ادبیات اسلام آباد ص۔۱۱۹۔

۲۱۔ ع۔ق شیخ ‘‘کپر توکن کری’’ پبلشر کی باتیں’’ سندھی ادبی کوپرآپٹیو سوسائٹی حیدر آباد، ۱۹۷۵ء۔ص۴۔

۲۲۔ صدیقی، آفاق ‘‘شیخ ایاز کی تصانیف’’ ص ۱۴۳۔

۲۳۔ ھگڑو، شخصیت اور فن، ص ۱۲۲۔

۲۴۔ کرن سنگھ، مشمولہ ایاز کے خطوط۔ فکشن ھاوس لاہور ۲۰۰۲ء ص ۵۔